# مکی عہدِ نبویؐ میں نوجوان صحابہ

## اور ان کی خدمات

جناب عابد الحسن

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم الانبیاء رسول اکرم ﷺ کی زیارت، خدمت، صحبت و معیت حاصل ہوئی اور آپؐ سے براہ راست فیض نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا انکار ممکن نہیں۔ مکی دورِ نبوی کے کٹھن مراحل میں رسول اللہ ﷺ کی معیت و رفاقت مشکل امر تھا، مگر انہوں نے تمام مشکلات کا پوری ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ ان کی قربانیوں کی بدولت ہی آج دینِ اسلام کی دنیا کے ہر گوشہ میں رسائی ممکن ہو سکی۔

### دورِ جوانی کا تعین

انسانی زندگی کے کس مرحلے کو 'نوجوا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین، محدثین اور فقہاء کے بیانات سے رہ نمائی ملتی ہے۔ ابن عطیہ اُندلسی لکھتے ہیں: الفتی: فِي كَلَامِ العَرَبِ اَلشَّابُ۔[۱] ''عربوں کے ہاں ''الفتی' سے مراد 'الشاب' ہے۔'' امام قرطبیؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔[۲] امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نوجوانی کی عمر پندرہ (۱۵) برس سے شروع ہوتی ہے۔[۳] علامہ بدر الدین عینیؒ نے بھی امام محمدؒ کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے۔[۴] امامِ لغت ابو ہلال الحسن بن عبد اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر ان کی عمر چودہ (۱۴) سال برس تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے انھیں غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن غزوۂ خندق میں آپؐ نے شرکت کی اجازت دے دی، جب

کہ وہ پندرہ (۱۵) برس کے ہو گئے تھے۔ ۵؎ امام خطابیؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد بلوغت کی حد کا تعین کرتے ہوئے اپنی رائے اور امام شافعیؒ کے قول کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

”قلتُ اِختلَفَ أَھلُ العِلمِ فِی حَدِّ البلُوغِ الذِی إِذَا بَلغَہ الصَبِی أُقِیمَ علَیہ الحُد، فَقالَ الشَافعی إِذَا اِحتلَمَ الغُلامُ أَو بلَغَ خمسَ عَشرۃَ سنَۃً فَإِنَّ حُکمہ حکمُ البَالغین“۔ ۶؎

(میرے نزدیک اہلِ علم کے ہاں بلوغت کی حد میں اختلاف ہے کہ بچہ کس عمر میں بالغ سمجھا جائے گا کہ اگر وہ جرم کرے تو اُس پر حد جاری کی جائے گی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب بچہ کو خواب (احتلام) آئے یا پندرہ (۱۵) برس کا ہو تو اُس کے احکام بالغین کی طرح ہوں گے۔)

اگر بلوغت کو حد قرار دیا جائے تو نوجوانی کی ابتدا کا تعین مشکل ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہر فرد کی بلوغت کی عمر الگ الگ ہوتی ہے۔ اس لیے نوجوانی کی ابتدا پندرہ (۱۵) برس قرار دینا مناسب ہوگا۔ ایسا کرنے سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔

نوجوانی کے تعین کے لیے اس کے اختتام کا تعین بھی ضروری ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے ہاں نوجوانی کی حد تیس (۳۰) برس متعین ہے: ”الشَّابُ عِنْدَ أَصْحَابِنَا هُوَ مَنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُجَاوِزْ ثَلَاثِينَ سَنَةً“۔ ۷؎ حنبلی فقہاء میں سے امام علاء الدین 'الشَّابُ، و الفَتی' کا اطلاق بلوغت سے لے کر تیس (۳۰) برس کی عمر تک کرتے ہیں۔ ۸؎

ان اقوال سے اس بات کا تعین ہو جاتا ہے کہ نوجوانی کا آغاز پندرہ (۱۵) برس اور اختتام تیس (۳۰) برس پر ہو جاتا ہے۔

اس مقالے میں چند اہم اور مشہور نوجوان صحابہ کرامؓ کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

## حضرت اَرقم بن اَبی الاَرقم ؓ

آپ ؓ وہ خوش نصیب ہیں جن کے دولت خانہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت ملی۔آپ ؓ نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے اجتماع کے لیے وقف کر دیا تھا،جس سے ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں کو آسانی ہو گئی تھی۔رسول اللہ ﷺ خود بھی اس گھر میں قیام فرماتے اور صحابہ کی رہنمائی فرماتے۔اسلام کی سربلندی کے لیے یہ سب سے پہلا گھر ہے،جس کو دعوتِ اسلام کے لیے منتخب ہونے کا شرف حاصل ہے۔یہیں سے دنیا کے اندر اسلام کی شعاعیں پھیلنا شروع ہوئیں۔حضرت ارقم ؓ نے تقریباً بارہ (۱۲) برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔

اس گھر کو اسلامی تاریخ میں 'دار ارقم' کے نام سے شہرت ملی۔ ۹؎ اس کو یہ سعادت بھی نصیب ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ ملا علی قاری ؒ نے مکہ میں نزولِ وحی کے جن پانچ مقامات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک دار اَرقم بھی ہے۔ ۱۰؎

اس میں رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ کرام ملاقات کرتے،نماز ادا کرتے اور دیگر عبادات بجالاتے۔یہ سلسلہ دین کے عام اعلان تک جاری رہا۔

حضرت ارقم ؓ کا تعلق قبیلۂ بنومخزوم سے تھا۔بنو ہاشم اور بنومخزوم کے تعلقات ہمیشہ خراب رہتے تھے۔جب آپ نے اسلام قبول کیا تو کسی کو اس کا گمان نہ ہوا۔پہلے آپ نے اپنے قبولِ اسلام کو چھپائے رکھا۔رسول اللہ ﷺ نے آپ کے گھر کو تبلیغ اسلام کے لیے منتخب فرمایا۔کیوں کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بنو ہاشم کی طرف سے اٹھنے والی دعوتِ دین بنومخزوم کے گھر میں پروان چڑھے گی۔ ۱۱؎ حضرت اَرقم نے اس سارے معاملہ کو انتہائی رازداری کے میں رکھا۔یہ سلسلہ تقریباً تین برس جاری رہا۔

## حضرت جعفر بن اَبی طالب ؓ

حضرت جعفر ؓ دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل ہی تقریباً اکیس (۲۱) یا

بائیس (۲۲) برس کی عمر میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے ہر نہج پر صحابہ کرامؓ کی رہ نمائی فرمائی تھی۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں آپ تمام مہاجرین کی قیادت کرتے ہوئے اپنی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو بھی ساتھ لے گئے۔ ۱۲؎ چوں کہ آپ ابتدا ہی سے بڑے معاملہ فہم تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس ہجرت کے دوران میں مہاجرین کا قائد مقرر فرمادیا۔

جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے تو اہل قریش نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے انہیں واپس لانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ اس کے لیے انھوں نے بے شمار ہدایا دے کر دو افراد: عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے پہلے بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے، اس کے بعد مہاجرین کی واپسی کی درخواست کی، مگر بادشاہ نے مہاجرین کی بات سننے سے قبل انھیں واپس کرنے سے منع کر دیا۔ ۱۳؎

جب شاہِ نجاشی نے مسلمانوں کا موقف سننا ضروری سمجھا تو اہلِ اسلام نے اس سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔ یہ تب ہی ممکن تھا جب بادشاہ کے سامنے ایسی گفتگو کی جائے جو اس کے قلب و ذہن پر اثر کر سکے۔ اس کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو عقل و فہم سے متصف ہو۔ انھوں نے اس کے لیے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا۔ آپ نے بادشاہ کے سامنے ایسی دعوتی گفتگو فرمائی کہ مشرکین کے نمائندوں کو بھرے دربار میں ذلّت کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر طیارؓ کی گفتگو سننے کے بعد بادشاہ نے سوال کیا: ''کیا تمہارے رسول جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اُس میں سے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے ہاں کہا تو بادشاہ نے اسے سنانے کا حکم دیا۔

یہ حضرت جعفر کی ذہانت تھی کہ انھوں نے فوراً وہ آیات تلاوت فرمائیں جو بادشاہ پر اثر انداز ہو۔ بادشاہ عیسائی تھا۔ آپؐ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی۔ ان آیات میں حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا اختصار

کے ساتھ ذکر ہے اور بعض ان حقائق کا بیان ہے جو انجیل میں موجود نہیں تھے۔

نجاشی نے جب یہ معجزانہ کلام سنا تو اُس کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ رو رو کر اُس کی داڑھی تر ہو گئی۔ پادریوں کے رونے سے اُن کے مصاحف بھی تر ہو گے۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے وہ دونوں ایک ہی سر چشمہ سے نکلتے ہیں۔ دونوں سفیروں کو وہاں سے نکال دیا اور مہاجرین کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۴ ؎

جن افراد نے ہجرت حبشہ کی تھی وہ صرف غریب اور لاچار لوگ ہی نہ تھے، بلکہ ان میں مکہ کے سردار، اپنے قبیلوں کے باوقار اور بااثر افراد بھی تھے۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت صفیہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ وغیرہ شامل تھے۔ جہاں تک حضرت جعفرؓ کی بات ہے تو ان کو مکہ میں کسی قسم کی پریشانی نہ تھی۔ ان کے والد جناب ابو طالب مکہ کے سرداروں میں سے تھے۔ اس وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مگر ہجرت کا اصل مقصد اسلام کی اشاعت کے لیے ایک اور مرکز کا قیام تھا۔ اس میں حضرت جعفرؓ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ سید قطب نے اپنی تفسیر 'فی ظلال القرآن' میں لکھا ہے: ''**كان بحث الرسول صلى الله عليه وسلم عن قاعدةٍ أخرى غَير مَكة**''۔ ۱۵ ؎ (رسول اللہ ﷺ مکہ کے علاوہ ایک اور مرکز کا قیام چاہتے تھے۔)

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

> ''ہجرتِ حبشہ اگرچہ مظلوم صحابہ کے لیے تحفظ کا باعث بنی، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جو حضرات ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، ان میں کئی ایسے نمایاں افراد بھی تھے جو یقیناً مظلومین میں سے نہیں تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ، عبد المطلب کے پوتے اور سردار ابو طالب کے صاحب زادے تھے اور قبیلۂ بنی ہاشم کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ ان کا شمار بھی مظلومین مکہ میں نہیں تھا۔ گویا حبشہ کے انتخاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک متبادل دار الهجرت کی

تلاش شروع کر رکھی تھی اور حبشہ کے دار الہجرت بننے کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے صفِ اول کے کچھ جید صحابہ بھی حبشہ گئے تھے، تا کہ جائزہ لے سکیں کہ حبشہ ہجرت بننے کے لیے موزوں جگہ ہے کہ نہیں؟ ان قائدین میں عثمان بن عفان، عبدالرحمان بن عوف اور حذیفہ بن عتبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے۔''۱۶؎

شاہِ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں آزادانہ طور پر رہنے کی اجازت دی، جس سے رسول اللہ ﷺ کے ایک دوسرے مرکز کے قیام کی خواہش پوری ہوگئی۔ مسلمان وہاں پر اپنی عبادات بجالاتے اور اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ فرماتے ہیں:

''کتب سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر مسلمانوں نے حبشہ کے مقامی باشندوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں چالیس پچاس حبشیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔''۱۷؎

## حضرت زبیر بن العوامؓ

حضرت زبیرؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔آپ پندرہ(۱۵) برس کی عمر میں مسلمان ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو اپنا حواری کہا ہے۔صحیح بخاری میں ہے:

إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيَّ، وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔ ۱۸؎

(بے شک ہر نبی کا ایک مددگار ہوتا ہے اور میرے مددگار زبیرؓ ہیں۔)

جب حضرت زبیرؓ نے اسلام قبول کیا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔اسلام قبول کرنے کی پاداش میں آپ کو سخت اذیت دی جاتی۔ مگر جذبۂ ایمانی میں کبھی لغزش نہ آئی۔آپ کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا اور کہتا: اسلام ترک کردو، مگر آپ ڈٹے رہتے۔۱۹؎

روایات میں ہے کہ جب آپ اسلام قبول کرکے نکلے تو راستے میں ابوالبختری

عاص بن ہشام سے ملاقات ہوئی۔اس نے کہا کہ کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔اس پر ابو البختر ی نے کہا: ہم تمہیں قرار سے نہیں رہنے دیں گے۔تم ہمارے آباء و اجداد کے دین سے الگ ہو رہے ہو اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چاہتے ہو۔حضرت زبیرؓ نے فرمایا:

''اِصْنَعْ مَا بَدَا لَکَ فَإِنَّمَا تَعْبُدُونَ حَجَرًا لا یَسْمَعُ وَلا یُبْصِرُ، وَلا یَنْفَعُ وَلا یَضُرُّ''۔۲۰؎

(تم جو چاہو کرو۔بے شک تم ایسے پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نفع ونقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔)

حضرت زبیرؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حمیتِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے اسلام میں سب سے پہلے تلوار لے کر نکلے۔۲۱؎ کتبِ سیرت میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا گیا ہے اور آپؐ اس وقت مکہ کی کسی بلند جگہ پر تشریف فرما ہیں۔آنکھ کھلتے ہی تلوار لے کر لوگوں کو ہٹاتے ادھر پہنچ گے۔رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: زبیر! کیا ہوا؟ انھوں نے خواب بتایا تو آپؐ نے ان کے لیے اور اُن کی تلوار کے لیے دعا فرمائی۔۲۳؎

## حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ

ایک مرتبہ حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ کفار کا ایک گروہ اُدھر آ گیا۔اُنھوں نے برا بھلا کہنے کے ساتھ لڑائی شروع کردی۔حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ کو غصہ آ گیا۔انھوں نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر مشرکین کے ایک فرد کو مار کر زخمی کر دیا۔قبولِ اسلام کے وقت وہ اُنیس(۱۹) برس کے تھے۔

سیرت حلبیہ کی روایت کے مطابق جب حضرت عمر فاروقؓ مشرکین کے اُبھارنے پر اسلام اور داعی اسلام کو مٹانے کے لیے نکلے تو راستے میں حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ سے ان کی ملاقات ہوگئ۔پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ میں (نعوذ باللہ) محمد

(ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ سعد بن اَبی وقاصؓ: نے کہا ایسا کرنے کی صورت میں کیا تمہیں بنو عبد مناف زمین پر زندہ رہنے دیں گے؟ انھوں نے کہا: لگتا ہے، تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ اس پر دونوں میں تکرار شروع ہو گئی اور دونوں نے اپنی اپنی تلوار سونت لی "**فسلّ عمرُ سَیفَه و سَلّ سَعد سَیفَه، و شدّ کُل مِنهما علی الآخرِ حتی کَادَا أَن یختَلِطَا**"۔ ۲۷ (عمرؓ اور سعدؓ نے تلواریں نکال لیں۔ ایک دوسرے سے اتنے غصے میں ہوئے کہ قریب تھا کہ لڑ پڑتے۔)

یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ جب کوئی شخص اسلام کا گرویدہ ہو جاتا تو مشکل سے مشکل حالات بھی اس کو اسلام سے دور نہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت سعدؓ بن اَبی وقاص کے ساتھ پیش آیا۔ جب ان کی والدہ کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو قسم کھا، کہ اُس وقت تک نہ کھائے گی نہ پیے گی جب تک اس کا کہ بیٹا اسلام کو ترک نہیں کر دیتا۔ ایک روایت کے مطابق ایک دن و رات کچھ نہ کھایا پیا تو دوسرے دن بے ہوش ہو گئی۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: جب میں نے اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو صاف الفاظ میں ان سے کہہ دیا:

> "اللہ کی قسم، اے ماں! تو جان لے، اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اس نبی کے دین کو نہیں چھوڑوں گا۔ تیری مرضی، کھائے یا نہ کھائے۔" ۲۴

جب ماں نے یہ معاملہ دیکھا تو کھانا شروع کر دیا۔ اس دور میں والدین کی نافرمانی بہت بڑا عار سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی قسم کھالیتا تو اس کو ضرور پورا کرواتا تھا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی۔ ڈاکٹر رؤوف شلبی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "**لقَد كَانَ رُوحانيةُ سعدٍ أَكبرُ مِن تقَاليدِ المجتَمعِ ورُوحَانِية المعَاني القديمةِ لِلأسرَة**"۔ ۲۵
>
> (حضرت سعدؓ کی روحانیت سماجی روایات اور قدیم خاندانی نظام سے زیادہ مضبوط تھی۔)

## حضرت سعید بن زیدؓ

آپؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔آپ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے وقت آپؓ کی عمر مبارک دس (۱۰) یا گیارہ (۱۱) برس تھی۔آپؓ قرآن مجید کی تلاوت بڑے اہتمام اور کثرت سے کرتے تھے۔ جب عمر آپ کے گھر آئے تو اس وقت بھی آپؓ اور آپ کی زوجہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔عمر نے ان کے گھر پہنچ کر کہا: جو کچھ پڑھ رہے تھے نکالو۔ جب تک اسے ظاہر نہیں کرو گے یہاں سے نہیں جاؤں گا۔حضرت سعید بن زیدؓ نے بڑی بہادری سے فرمایا:

"إِنَّکَ لَا تَستَطِیعُ اَن تَجمعَ الناسَ علٰی هَواکَ یَا عُمرُ وَإن کَان الحَقُّ سِواہ"۔۲۶

(اے عمر! آپ اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اپنی خواہش پر لوگوں کو جمع کر لیں، اگرچہ حق کچھ اور ہو۔)

یہ سن کر عمر نے حضرت سعید بن زیدؓ کو طمانچہ رسید کیا۔ان کو بچانے کے لیے حضرت فاطمہؓ بن خطاب آگے بڑھیں تو عمر انہیں بھی زور سے طمانچہ رسید کر دیا،جس سے ان کے منھ سے خون نکل آیا۔اس پر دونوں میاں بیوی برملا بول پڑے: "ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں۔تمھیں جو کرنا ہے کرلو"۔۲۷

یہ سنتے ہی عمر کے دل کی دنیا بدلنا شروع ہوگئی۔انھوں نے شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا: جو کچھ تم لوگ پڑھ رہے تھے وہ لاؤ۔ بالآخر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

## حضرت عمر بن خطابؓ

حضرت عمر بن خطابؓ کے اسلام قبول کرتے ہی صورتِ حال بدل گئی۔ مسلمانوں کی ذہنی کیفیت تبدیل گئی۔انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔۲۸

مکہ کے مشکل ترین ماحول میں اسلام کی اشاعت کرنا اور کھلے عام دعوتِ دین دینا بہت کٹھن امر تھا۔مسلمان عبادت بھی چھپ کر کیا کرتے تھے۔مگر جب حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا ہماری موت اور زندگی حق سے وابستہ نہیں ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: ”ہاں، کیوں نہیں، اللہ کی قسم، بلاشبہ تم زندہ رہو یا موت آ جائے تم حق پر ہو۔“ اس پر سیدنا عمرؓ نے کہا: ”تو پھر چھپ کر رہنے کا کیا مطلب؟ اللہ کی قسم، جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آج آپ کھل کر سامنے آجائیں۔“ اس دن نبی ﷺ نے سیدنا عمرؓ کو 'فاروق' کا لقب عطا فرمایا۔۲۹؎

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: **مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ**۔ ۳۵؎ ”جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہم طاقت ہو گئے۔“ دوسری روایت میں فرماتے ہیں: ”جب تک حضرت عمرؓ نے اسلام قبول نہ کیا تھا، ہمیں کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی طاقت نہ تھی، لیکن جب آپؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑائی کی اور کعبہ کے پاس نماز پڑھی۔ ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی“۔۳۱؎

روایات میں ہے کہ جب بھی کوئی شخص حضرت عمرؓ سے یہ کہتا کہ تم صابی ہو گئے ہو تو وہ فوراً بول اٹھتے: ”تو جھوٹا ہے بلکہ میں تو اس اللہ پر ایمان لایا ہوں جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، میں لات، عُزیٰ اور دوسرے بتوں سے بری ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“۔۳۷؎

جب حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ حال ہو گیا تھا کہ جو شخص بھی کسی مسلمان پر ظلم کرتا تو مسلمان اس کا بدلہ لیتے تھے۔ ایک دن ابن الأصداء اور ابن الغیطلہ نے حضرت صہیب رومیؓ کو پکڑ لیا اور ان کی گردن میں چادر ڈال کر گھسیٹا جس سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آ کر انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو بتایا تو وہ حضرت سعد بن أبی وقاص اور حضرت طلیب بن عمیرؓ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ ابن الأصداء کو پکڑ لیا اور اُسی کی چادر کے سے اس کا گلا دبایا، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ ۳۳؎

## حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ

آپؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مکہ کے ماحول میں لکھنا پڑھنا جانتے

تھے۔آپ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہ کر پرورش پائی تھی۔ آپ (۸) یا دس (۱۰) برس کی عمر میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ڈاکٹر محمد علی الصلابی لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ مکہ مکرمہ کے اُمی معاشرے کی ان ممتاز شخصیتوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ بچپن سے ہی علم سے ان کی محبت اور شغف کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ لطف و کرم ان کے لیے بچپن ہی سے مقدر فرما دیا کہ وہ کاشانۂ نبوت ہی میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ زندگی بسر کریں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ پر رسول اللہ ﷺ کی عنایات میں مزید اضافہ ہو گیا۔آپؐ نے ان کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس طرح ان کی شخصیت پر رسالت مآب ﷺ کی بے مثل شخصیت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اسی وجہ سے ان کی صلاحیتیں بیدار ہوتی چلی گئیں، ان کا قلب نہایت پاکیزہ ہو گیا، ان کی عقل منور ہو گئی، ان میں اعلیٰ درجے کی روحانی بصیرت پیدا ہو گئی اور وہ دینی تہذیب کا درخشاں نمونہ اور نمائندہ بن گیے''۔ ۳۴؎

ابتدائے اسلام میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں جا کر نماز ادا کرتے تھے تو حضرت علیؓ بھی ساتھ جاتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ایک مرتبہ جناب ابو طالب کا اچانک ادھر سے گزر ہوا تو علیؓ سے پوچھا: یہ کون سا دین ہے؟ اس پر آپؓ نے جواب دیا'' اے میرے ابا جان! میں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور جو یہ لے کر آئے ہیں اس کو سچا جانا ہے، ان کے ساتھ اللہ کے لیے نماز ادا کی ہے اور ان کی پیروی کی ہے''۔ ۳۵؎

حضرت ابوذر غفاریؓ کے اسلام قبول کرنے میں حضرت علیؓ نے اہم کردار ادا کیا۔ پہلے تو بطور مہمان انھیں گھر ٹھہراتے رہے۔ پھر جب انھوں نے دل کی بات کا اظہار کیا تو انھیں بہت اچھے انداز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت مکہ میں ہر طرف مشرکین پھیلے ہوئے تھے اور نہ صرف ایمان لانے والوں کو، بلکہ ان سے تعلق رکھنے والے کو بھی ستاتے تھے۔آپؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ان کفارو

مشرکین سے بچا کر اسلام قبول کرنے کی طرف رہ نمائی فرمائی۔

قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر اسلام کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کرلیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کا ارادہ فرما لیا۔ دانائی کی بات یہ تھی کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر کسی کا ہونا ضروری ہے، تاکہ قریش کو ہجرت کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو سکے۔ اس کے لیے آپؐ نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا۔ اوران کو اس رات اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ ۳۶ ؎

اتنی جان نثاری کا کام کوئی عام آدمی نہیں کرسکتا تھا، جب کہ کفار ومشرکین اللہ کے رسول ﷺ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور وہ رات میں کسی وقت بھی حملہ کر سکتے تھے۔ اتنی بہادری کا ثبوت وہی دے سکتا ہے جو بہت زیادہ نڈر ہو۔

## حضرت مصعب بن عمیرؓ

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تعلق مکہ کے تعلیم یافتہ افراد سے تھا۔ آپ مکہ کے خوب صورت نوجوان تھے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مصعب بن عمیرؓ مکہ کے ناز و نعم والے نوجوان تھے۔ ۳۷ ؎ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر پچیس (۲۵) سے اٹھائیس (۲۸) برس کے درمیان تھی۔ بلاذریؒ نے آپ کی مکی زندگی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے شان دار الفاظ نقل فرماتے ہیں: ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، میں نے دیکھا کہ مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نوجوان بھی اپنے والدین کے ہاں ناز ونعمت سے پلنے والا نہیں تھا۔ پھر نیکی کی رغبت اور اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت نے انہیں اُس سے نکال دیا۔ ۳۸ ؎

بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لانے والے یثرب کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی کہ ان کے ساتھ کسی ایسے فرد کو کر دیں جو انہیں دین سمجھائے اور قرآن کی تعلیم دے۔ آپؐ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو بھیج دیا۔ ۳۹ ؎

آپ نے یثرب (مدینہ) میں آکر وہاں کے لوگوں کو باقاعدہ اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔ آپؓ حضرت اسعد بن زُرارہؓ کے مہمان بنے وہ آپؓ کو مختلف قبائل

میں لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ کچھ عرصہ تک فرداً فرداً دعوت دینے کا عمل جاری رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ قبائل کو اکھٹے دعوت دی جائے۔ آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ۴۵؎

آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کے ذریعہ مدینہ میں اسلام کی اتنی اشاعت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کونماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم فرمایا تھا۔ ۴۱؎

آپ کی کوششوں سے تقریباً ایک سال کے عرصے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ بلاذریؒ کی روایت کے مطابق آپ اوس وخزرج کے ستر (۷۰) افراد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ۴۲؎

## حضرت خباب بن الارتؓ

جب آپؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ کو سخت اذیت دی جاتی تھی۔ اس پر بھی آپ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور اسلام پر قائم رہے۔ آپؓ خود فرماتے ہیں کہ مجھے عاص بن وائل سہمی کو قرض واپس کرنا تھا۔ جب اسے قرض لوٹانے گیا تو اُس نے پکڑ لیا اور کہنے لگا: میں تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کفر پر نہ لوٹ آئے۔ آپؓ نے جواب دیا: ''لَنۡ أَکۡفُرَ حَتّٰی تَمُوتَ وَتُبۡعَثَ''۔ ۴۴؎ (تو مر کر دوبارہ زندہ ہوجائے تب بھی میں کفر کو اختیار نہیں کرسکتا۔)

جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی بہن حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کے گھر اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہوئے، اس وقت حضرت خبابؓ وہاں موجود تھے اور حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کو سورہ طٰہٰ اور سورہ تکویر کی تعلیم دے رہے تھے۔ ۴۵؎

## حضرت صہیب بن سنان رومیؓ

ایک مرتبہ آپؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ حرم پاک سے گزر رہے تھے۔ وہاں پر مشرکین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مذاق اُڑایا تو آپؓ نے منہ توڑ جواب دیا اور فرمایا:

''نحنُ جُلسائُ نبیِ اللہ، اٰمَنَّا و کَفرتُم، و صَدَّقناہ و کَذَّبتُموہ و لا

**خَسِيسَةٌ مَعَ الإِسلامِ وَلَا عِزٌ مَعَ الشِّرك"** ۔[۴۶]

(ہم اللہ کے نبی کے ہم نشیں ہیں۔ آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، جب کہ تم نے کفر کیا ہے۔ ہم نے اُن (رسول اللہ ﷺ) کو سچا مانا ہے، جب کہ تم نے جھٹلایا ہے۔ اسلام کے ساتھ کوئی ذلت نہیں اور شرک کے ساتھ کوئی عزت نہیں۔)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو بہت سخت اذیت دی جاتی تھی۔ انھیں جسم پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور کفر کی طرف لوٹنے کو کہا جاتا۔ اذیت اتنی سخت ہوتی تھی کہ بے ہوشی میں یہ بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ کیا بول رہے ہیں؟[۴۷] لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لرزش نہ آئی۔

## حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور میں قیام فرمایا تو ان کو حکم تھا کہ دن کو غارِ ثور کے ارد گرد بکریاں چرائیں اور رات کو غار کے دہانے پر لے آئیں، تاکہ بکریوں کا دودھ لیا جاسکے۔[۴۸]

## خلاصۂ بحث

مکی دورِ نبوی اسلام کے لیے بڑا کٹھن تھا۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ نے خود اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ان مصائب کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ نے دار ارقم میں صحابۂ کرام کو ہر جہت سے تیار فرمایا۔ اسلام کی اشاعت میں تمام صحابۂ کرام، بالخصوص نوجوان صحابہ نے اہم کردار ادا کیا۔ جوانی کی عمر میں عیش و عشرت اور آرام و آسائش مرعوب ہوتی ہے، مگر انھوں نے ان تمام چیزوں کو ٹھکرا کر اسلام کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ قرآن کی تعلیم، حدیث کی اشاعت، اُسوۂ رسول ﷺ کی پیروی اور دعوتِ دین وغیرہ میں انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا۔ اس طرح انھوں نے رہتی دنیا کے لیے مسلمانوں کو یہ رہ نمائی فراہم کی کہ ماحول

جیسا بھی ہو، اشاعتِ اسلام سے کبھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔انھوں نے اسلام کی راہ میں بہت تکالیف برداشت کیں، مگر استقامت کا ثبوت دیا۔ رضی اللہ عنھم

## حواشی ومراجع


۱۔ ابن عطیہ، عبدالحق بن غالب، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ج ۳، ص ۵۲۷

۲۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۹۶۴ء، ج ۹، ص ۱۷۶

۳۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدرالمختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء، ج ۳، ص ۷۰۰

۴۔ عینی، محمود بن احمد، البنایۃ شرح الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ج ۱۳، ص ۴۷۴

۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سُنن ابی داؤد، حدیث ۲۹۵۷

۶۔ خطابی، حمد بن محمد، معالم فی السنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۹۳۲ء، ج ۳، ص ۳۱۰

۷۔ نووی، یحییٰ بن شرف، المنھاج شرح مسلم بن الحجاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ج ۹، ص ۱۷۳ المسُنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۹۳۲ء، ج ۳، ص ۳۱۰

۸۔ علاء الدین علی بن سلیمان، الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ہجر للطباعۃ والنشر، مصر، ۱۹۹۵ء، ج ۶۱، ص ۵۱۱

۹۔ اب دارارقم 'دارالخیز ران' سے مشہور ہے۔ یہ کوہِ صفا کے پاس ہے۔ عباسی خلیفہ منصور نے اسے خریدا اور اپنے بیٹے مہدی کو دے دیا تھا۔ مہدی نے اسے اپنی بیوی خیزران کو دے دیا تھا۔ حلبی، علی بن ابراہیم، السیرۃ الحلبیۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، ج ۱، ص ۴۰۲

۱۰۔ ملا علی قاری، علی بن محمد، شرح الشفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ج ۲، ص ۹۸

۱۱۔ احمد غلوش، السیرۃ النبویۃ والدعوۃ فی العھد المکی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۲۰۰۳ء، ص ۴۵۶

۱۲۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، ص ۴۰۲

۱۳۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مصر: شرکۃ مکتبہ، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۳۳۶

۱۴۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۳۶

۱۵۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، ۱۴۱۲ھ، بیروت، ج ۱، ص ۲۹

۱۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۴۷

۱۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، س ن، اسلام آباد، ص ۲۰۸

۱۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، حدیث ۴۱۱۳

۱۹۔ أصبھانی، أحمد بن عبداللہ، معرفۃ الصحابہ، دار الوطن للنشر، ریاض، ۱۹۹۸ء، حدیث ۴۱۳

۲۰۔ بلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء، ج۹ ص ۴۲۱

۲۱۔ طبری، احمد بن عبداللہ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دار الکتب العلمیۃ، س ن، بیروت، ج ۴، ص ۲۷۴

۲۲۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ)، ج۲، ص ۵۱۱

۲۳۔ سہیلی، عبدالرحمن بن عبداللہ، الروض الآنف فی شرح السیرۃ النبویۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج ۳، ص ۴۳ ۲۴۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، ص ۲۹۴

۲۵۔ رؤوف شلبی، ڈاکٹر، الدعوۃ الاسلامیۃ فی عہدہا المکی: مناہجہا وغایاتہا، دار القلم، س ن، بیروت، ص ۲۰۲

۲۶۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، ص ۴۷۰ ۲۷۔ سیرۃ ابن اسحاق، ج ۱، ص ۱۸۲

۲۸۔ انساب الأشراف، ج ۱۰، ص ۲۸۹

۲۹۔ اصبہانی، أحمد بن عبداللہ، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ، ج ۱، ص ۴۰

۳۰۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۳ء، حدیث ۳۶۸

۳۱۔ صلابی، سیرت عمر فاروق، مترجم: ندیم شہباز، سعودی عرب: دار السلام، س ن، ج ۱، ص ۶۴۔۶۵ ج ۱، ص ۶۵

۳۲۔ صلابی، سیرت عمر فاروق، ج ۱، ص ۶۶ ۳۳۔ بلاذری، انساب الأشراف، ج ۱۰، ص ۲۸۹

۳۴۔ صلابی، سیدنا علیؓ، ص ۱۱۰ ۳۵۔ الاستیعاب، ابن عبدالبر ج ۳، ص ۱۰۸۹

۳۶۔ قحطانی، سعید بن علی، الحکمۃ فی الدعوۃ الی اللہ تعالی، وزارۃ الشؤون الاسلامیہ، س ن، سعودی عرب، ص ۲۳۵

۳۷۔ سیرۃ ابن اسحاق، ج ۱، ص ۱۹۳ ۳۸۔ انساب الأشراف، ج ۹، ص ۲۰۶

۳۹۔ حوالۂ سابق، ج ۹، ص ۲۰۶ ۴۰۔ الاستیعاب، ابن عبدالبر قرطبی ج ۳، ص ۱۰۸۹

۴۱۔ قرطبی، الاستیعاب، ج ۳، ص ۱۰۸۹ ۴۲۔ انساب الأشراف، ج ۹، س ۴۰۷

۴۳۔ الاستیعاب، ابن عبدالبر، ج ۴، ص ۱۴۷۳ ۴۴۔ بلاذری، انساب الأشراف، ج ۱، ص ۱۷۶

۴۵۔ سیرۃ ابن اسحاق، ج ۱، ص ۱۸۲

۴۶۔ ذہبی، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۷ھ، ج ۳، ص ۳۵۱

۴۷۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۸۵ ۴۸۔ انساب الأشراف، ج ۱، ص ۲۶۰